بیسواں پارہ

مولانا محمد اسلم شیخوپوری

بیسویں پارہ کی ابتداء میں قدرت اور وحدانیت کے پانچ دلائل اور براہین ذکر کیے گئے ہیں اور پانچوں استفہامیہ انداز میں مذکور ہیں۔

برھانِ اول: کیا وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور آسمان سے بارش برسا کر خوبصورت اور تروتازہ باغات لہلہائے ہیں وہ بہتر ہے یا جنہیں یہ شریک ٹھہراتے ہیں وہ بہتر ہیں؟ (۶۰)

برھانِ ثانی: وہ محسنِ حقیقی جس نے انسان کے لئے زمین کو باعثِ قرار بنایا ہے۔ اس کے سینے میں نہریں جاری کی ہیں، اس کی پشت پر بھاری پہاڑ رکھ دیئے ہیں اور میٹھے اور کھارے پانی کو خلط ملط ہونے سے بچانے کے لئے ان کے درمیان رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں کیا اس محسن اور قادر ذات کو بتوں کی مثل ٹھہرانا کسی صورت بھی قرینِ انصاف ہے؟ (۶۱)

برھانِ ثالث: مجبوری، مظلومیت، بیماری اور تکلیف کے وقت کسے پکارا جاتا ہے؟ رب العالمین کو یا بے جان اصنام کو؟ (۶۲)

برھانِ رابع: بر و بحر کی تاریکیوں میں راستہ کون دکھاتا ہے؟ بارش برسنے سے پہلے ٹھنڈی ہوائیں کون چلاتا ہے؟ ربِ کریم یا ہاتھوں سے گھڑی ہوئی مورتیاں؟ (۶۳)

برھانِ خامس: انسان کو ابتداء میں کس نے پیدا کیا تھا اور دوبارہ کون پیدا کرے گا؟ رب العالمین کے سوا کون ہے جس کا نام تم پیش کر سکو؟ (۶۴)

قرآن کا عمومی اسلوب یہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور وحدانیت پر کائناتی مناظر اور نفسِ انسانی کے حقائق سے استدلال کرتا ہے، یوں وہ پوری کائنات کو بحث ومناظرہ کا میدان بنا دیتا ہے، یہاں تک کہ مخالف بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی

بھی نہیں جو یہ سارے کام کر سکے۔(۶۰-۶۴)

عقیدۂ توحید کے بعد دوسرا ابنیادی مسئلہ جو مشرکین کی سمجھ میں نہیں آتا تھا وہ دوسری زندگی کا مسئلہ تھا، وہ کہتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ جب ہم اور ہمارے آباء مٹی ہو جائیں تو ہمیں دوبارہ پیدا کر دیا جائے گا(۶۷)ان کے لچر اور کھوکھلے اعتراض کے جواب میں اللہ نے اپنے نبی کو تسلی بھی دی اور مشرکین کو وعید بھی سنائی کہ جو کچھ پہلے مجرموں کے ساتھ ہوا وہ تمہارے ساتھ بھی ہوسکتا ہے، زمین پر چل پھر کر دیکھ لو کہ ان کے ساتھ کیا ہوا، اس کے بعد قیامت کے بعض مناظر بیان کیے گئے ہیں(۸۳)اور بتایا گیا ہے یہ جہان بس اس وقت تک باقی ہے جب تک صور نہیں پھونک دیا جاتا، حضرت اسرافیل علیہ السلام پہلی بار صور پھونکیں گے تو ارض وسما کی ساری مخلوق پر ہیبت طاری ہو جائے گی، دوسری بار صور پھونکیں گے تو کائنات کی ہر چیز کو موت آجائے گی، جب تیسری بار صور پھونکیں گے تو سب قبروں سے زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے، جیسے اس سورت کی ابتداء عظمت قرآن کے بیان سے ہوئی تھی یونہی اس کے اختتام پر بتایا جارہا ہے کہ انسان کی سعادت یہ ہے کہ وہ اس کتابِ مقدس کی تعلیمات کو مضبوطی سے تھام لے۔

سورۃ القصص

سورۂ قصص مکی ہے، اس میں ۸۸ آیات اور ۹ رکوع ہیں، اس سورت کا زیادہ تر حصہ فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معاملہ پیش آیا اس کے بیان پر مشتمل ہے۔ اس سورت کی ابتداء حروف مقطعات میں سے ''طسم'' کے ساتھ ہوئی ہے اور ان حروف کے متصل بعد قرآن کریم کی حقانیت کا بیان ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے کا آغاز ہو جاتا ہے۔

سورۂ قصص بتاتی ہے کہ فرعون مصر میں بڑا بن بیٹھا تھا، تکبر اور جور و جفا میں حد سے آگے بڑھ گیا تھا، اس نے آج کے سامراج اور استعمار کی طرح مصر والوں کو مختلف گروہوں اور طبقات میں تقسیم کر رکھا تھا تا کہ اس کے اقتدار کو عوام کی منظّم اجتماعی طاقت سے کوئی خطرہ لاحق نہ ہو، بنی اسرائیل جو مصر کی بہت بڑی اقلیت بن چکے تھے، اس کے ظلم و ستم کا خصوصی ہدف تھے، پھر اللہ

نے کمزوروں کو اٹھانے اور زیر دستوں کو بالا دست کرنے کا ارادہ کرلیا، انہی حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، آپ کی والدہ پریشان ہوگئیں کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ فرعون کے کارندوں کو اگر خبر ہوگئی تو وہ نومولود کو زندہ نہیں چھوڑیں گے، حکیم و خبیر رب نے ان کی رہنمائی کی، انہوں نے صندوق بنایا اس میں اپنے لختِ جگر کو لٹا کر نیل کی لہروں کے حوالے کر دیا، پانی کے دوش پر تیرتے ہوئے صندوق کو فرعون کی خادماؤں میں سے ایک نے اٹھا کر اس کی اہلیہ حضرت آسیہ کی گود میں ڈالا، فرعون اس معصوم بچے کو بھی ذبح کرنا چاہتا تھا لیکن رب العالمین کا فیصلہ کچھ اور تھا اور یقیناً ہوتا وہی ہے جو رب کا فیصلہ ہوتا ہے، انسان کی تدبیریں، سازشیں، منصوبے اور پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں، آسیہ نے کچھ اس انداز سے بات کی کہ اس شخص کا دل بھی پسیج گیا جس کے سینے میں لگتا تھا کہ دل نہیں پتھر کا ٹکڑا ہے، ادھر فرطِ غم کی وجہ سے بچے کی والدہ کا یہ حال ہوگیا کہ کسی پل سکون و قرار نہیں، تصور ہی تصور میں صندوق کو فرعونیوں کے ہاتھ لگتے اور بچے کے گلے سے خون کا فوارہ پھوٹتے دیکھتی ہیں لیکن رحیم و کریم اللہ نے اس کے اڑتے ہوئے دل کو قرار عطا فرمایا اور وعدہ کیا کہ بچے کو تمہاری ہی گود میں واپس لوٹا دیا جائے گا، یہ معجزہ کیسے ظاہر ہوگا؟ یہ ناممکن کیسے بنے گا؟ یہ سوچنا تمہارا نہیں ہمارا کام ہے، بھوکے بچے کو کئی دایوں نے دودھ پلانے کی کوشش کی لیکن وہ کسی کا بھی دودھ پینے پر راضی نہ ہوا، آپ کی بہن اجنبی بن کر یہ منظر دیکھ رہی تھی، اسی کے مشورہ پر بے قرار ماں کو بلایا گیا اور بطور دایہ کے بچے کو اسی گود میں ڈال دیا گیا جو گود اس کے لئے تڑپ رہی تھی، فرعون نے اپنے خیال میں ایسا انتظام کیا تھا کہ کوئی اسرائیلی بچہ اپنی ماں کا دودھ بھی نہ پی سکے، اس سے پہلے ہی اسے تہ تیغ کر دیا جائے اور اللہ کا فیصلہ یہ تھا کہ وہ بچہ جسے اپنے وقت کے سب سے بڑے ظالم کے اقتدار کے لئے خطرہ بننا تھا اس کی پرورش، اسی اقتدار کے زیرِ سایہ اور صاحبِ اقتدار کے نان ونفقہ سے ہو، پھر وہی ہو کر رہا جو سچے رب کا فیصلہ تھا، خدائی کے جھوٹے دعوے دار کی ہر تدبیر ناکام ہو کر رہی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جوانی کی حدود میں قدم رکھا تو آپ کے ہاتھوں قبطی کا خون ہوگیا، ایک مردِ وفا کے مشورہ پر آپ مصر سے نکل گئے اور مدین کی راہ لی، یہاں نہ جان

نہ پہچان، نہ ٹھکانہ نہ ذریعہ معاش، دعا کے لئے اسی کے سامنے ہاتھ اٹھا دیے جس نے زہریلے سانپ اور آدم خور بھیڑیئے کے ہاتھوں پرورش کروائی تھی، کہا تو بس یہ کہ یارب! میں تیری عطا کا فقیر اور محتاج ہوں، آپ کی یہ دُعاء دریا بہ کوزہ کی مثال تھی، اس میں وہ سب کچھ آ گیا جس کا انسان محتاج ہوسکتا ہے، اور انسان کس چیز کا محتاج نہیں؟ اگر روٹی کا محتاج ہے تو بھوک کا بھی محتاج ہے، سائے کا محتاج ہے تو دھوپ کا بھی محتاج ہے، بیداری کا محتاج ہے تو نیند کا بھی محتاج ہے۔ ایک درخت کے سائے تلے بیٹھے تھے کہ دو باحیا اور پردہ دار بچیاں بکریوں کو ہنکاتے ہوئے آ گئیں، ان کی بکریوں کو ازراہِ احسان کنویں سے پانی کھینچ کر پلا دیا، بچیاں سمجھ دار تھیں، اپنے والد حضرت شعیب علیہ السلام کے سامنے جا کر اس اجنبی مسافر کی قوت وطاقت اور امانت ودیانت کی تعریف کی، انہی میں سے ایک بچی کے ذریعے بلائے گئے، نہ صرف باعزت وراحت ٹھکانہ میسر آ گیا بلکہ چند شرائط کے تحت رشتے کی بھی پیشکش ہوگئی، شادی کے بعد اہلیہ کو ساتھ لئے مصر واپس جا رہے تھے کہ ٹھٹھرتے ہوئے جنگل میں آگ بھڑکتے ہوئے دیکھی، آگ لینے کے لئے آگے بڑھے تو نبوت سے نواز دیے گئے، نبوت عطا کرنے والے نے عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ دے کر اسی کے سامنے کلمہ حق کہنے کا حکم دیا جس نے اللہ کی زمین اللہ کے بندوں پر تنگ کر رکھی تھی اور جو اپنے سوا کسی کو بڑا ماننے کے لئے تیار نہ تھا، کلمۂ حق کہہ دیا گیا، فرعون نے نہ ماننا تھا نہ مانا، اللہ نے اسے اٹھایا اور فوج کے پرّوں سمیت مادی ترقی کے اس سلوگن کو دریا کی طوفانی موجوں کے حوالے کر دیا......رہے نام اللہ کا!

یہ قصہ جس کے نمایاں کردار تین ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام، بنی اسرائیل اور فرعون! اور جس کا کچھ حصہ یہاں اور بقیہ جزئیات پورے قرآن میں مذکور ہیں اس قصّے سے مجموعی طور پر جو بصیرتیں اور عبرتیں حاصل ہوتی ہیں وہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''قصص القرآن'' میں ذکر فرمائی ہیں ہم ان کا خلاصہ اپنے الفاظ میں افادۂ عام کے لئے تحریر کئے دیتے ہیں۔

(۱) اگر انسان مصائب وآلام پر صبر کرے تو دنیا اور آخرت میں اس کے اچھے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

(۲) جو شخص اپنے معاملات میں اللہ پر بھروسہ رکھتا ہو، اللہ تعالیٰ اس کی مشکلات ضرور آسان کر دیتا ہے۔

(۳) جس کا معاملہ حق کے ساتھ عشق تک پہنچ جاتا ہے اس کے لئے باطل کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ہیچ ہو کر رہ جاتی ہے۔

(۴) اگر کوئی بندہ حق کا پرچم لے کر پوری استقامت کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو دشمنوں ہی کے گروہ سے اس کے حمایتی پیدا کر دیئے جاتے ہیں۔

(۵) جس کے دل میں ایمان پیوست ہو جائے وہ ایمان کی خاطر سب کچھ یہاں تک کہ نقدِ جاں بھی لٹانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

(۶) غلامی کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ ہمت اور عزم کی روح سے انسان محروم ہو جاتا ہے (اسی لئے بنی اسرائیل نے ارضِ مقدس میں داخل ہونے سے انکار کر دیا تھا)۔

(۷) وراثتِ زمین اسی قوم کا حق ہے جو میدانِ جدوجہد میں ثابت قدم رہتی ہے۔

(۸) باطل کی طاقت کتنی ہی زبردست کیوں نہ ہو، بالآخر اس کو نامرادی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

(۹) اللہ کی عادت یہ ہے کہ جن قوموں کو ذلیل اور حقیر سمجھا جاتا ہے ایک دن آتا ہے کہ اللہ انہیں کو زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔

(۱۰) جو شخص یا جماعت جان بوجھ کر قبولِ حق سے سرکشی کرے، اللہ اس سے قبولِ حق کی استعداد چھین لیتا ہے۔ فرعون اور اس کے حواریوں کے ساتھ یہی ہوا۔

(۱۱) یہ بہت بڑی گمراہی ہے کہ انسان کو حق کی اتباع کی بدولت کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ خود ہی حق سے روگردانی شروع کر دے۔ بنی اسرائیل نے یہی کچھ کیا۔

(۱۲) ایک بہت بڑی ضلالت یہ ہے کہ انسان حق کی اتباع کی بجائے حق کو اپنی خواہشات کے تابع کرنا شروع کر دے۔ یوم السبت میں شکار کی ممانعت کے باوجود اسرائیلی حیلہ بازی کرتے رہے۔

(۱۳) کوئی حق کو قبول کرے یا نہ کرے، داعی کا فرض ہے کہ وہ فریضۂ دعوت ادا کرتا رہے۔ بعض اہلِ حق، سبت کی بے حرمتی سے آخر وقت تک منع کرتے رہے۔

(۱۴) ظالم حکمران، قوم کی بدعملیوں کے نتیجے میں اس پر مسلط کیے جاتے ہیں۔

(۱۵) اپنی قوم کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلانا انبیائے کرام علیہم السلام کی سنت ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور فرعون کا انجام بیان کرنے کے بعد مختلف آیات میں اہل مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے (۴۷) اہل کتاب میں سے ایمان لانے والوں کی تعریف کی گئی ہے۔ (۵۲-۵۵) مشرکین کی جہالتوں اور حماقتوں کا ذکر ہے (۵۷) دنیائے فانی کے مال ومتاع سے دھوکہ کھانے سے بچنے کی تلقین ہے (۶۰-۶۱) قیامت کے مناظر میں سے بعض مناظر کی منظر کشی ہے (۶۲-۶۶) اللہ تعالیٰ کی تخلیق اور اختیار کا بیان ہے۔ (۶۸)

ان مضامین کے بعد فرعون جیسے ایک دوسرے متکبر اور سرکش انسان کا تذکرہ ہے، اس کا نام قارون تھا، خاندانی اعتبار سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قرابت دار تھا، اکثر علماء نے اسے آپ کا چچازاد قرار دیا ہے، اپنے وقت کا ہی نہیں شاید آج کے بین الاقوامی سرمایہ داروں میں سے بھی سب سے بڑا سرمایہ دار! اس کے خزانے نہیں، خزانوں کی چابیاں اٹھانے کے لیے طاقتور مردوں کی ایک بڑی جماعت کی ضرورت پیش آتی تھی، دولت کی بہتات نے اسے خودسر اور مغرور بنا دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے سمجھایا کہ مال ودولت پر مت اتراؤ، اللہ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا، اللہ نے جو کچھ دیا ہے اسے اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے خرچ کرو، جیسے اللہ نے تمہارے ساتھ احسان کیا ہے اسی طرح تم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ احسان کرو، نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ ہی روپیہ پیسہ ناجائز مصارف میں خرچ کرو لیکن یہ ساری فہمائش اس کے سر کے اوپر سے گزر گئی اور اس نے وہی جواب دیا جو ہر احمق، مغرور سرمایہ دار دیا کرتا ہے اس نے کہا ''مجھے یہ مال میری دانش کے زور پر ملا ہے۔'' (۷۸)

حبِّ دنیا میں ڈوبے ہوئے لوگ جب قارون کی شان وشوکت دیکھتے تھے تو ان کے منہ

میں پانی آجاتا تھا اور وہ اسی جیسا بننے کی تمنا کرتے تھے، لیکن پھر یوں ہوا کہ اللہ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں دھنسا دیا، عذابِ الٰہی کی اس زندہ گرفت نے دنیا پرستوں کی آنکھیں کھول دیں اورانہوں نے اعتراف کیا کہ ’’ اگر اللہ ہم پر احسان نہ کرتا تو ہمیں بھی دھنسا دیتا‘‘ قارون کے واقعہ کے اختتام پر قرآن ایک ایسی نصیحت کرتا ہے جو ہر مسلمان کو اپنے پلے باندھ لینی چاہیے، ارشاد ہوتا ہے’’ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جوملک میں بڑا بننے اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے اور انجام تو پرہیز گاروں ہی کا ہے‘‘ (۸۳) (آج بڑا بننے کی بیماری عوام میں نہیں بلکہ خواص میں بھی عام ہو چکی ہے، جولوگ اس بیماری میں مبتلا ہیں انہیں یہ آیت ہر وقت سامنے رکھنی چاہیے)۔

اس سورت کی آخری آیت میں ہے کہ’’ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے، اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے‘‘ فرعون جیسے بادشاہ اور قارون جیسے سرمایہ دار کا عبرتناک انجام اس دعویٰ کی دلیل ہے کہ’’ اللہ کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔‘‘

سورۃ العنکبوت

سورۂ عنکبوت مکی ہے، اس میں ۶۹ آیات اور ۷ رکوع ہیں، اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں جیسے ہیں، اس سورت کا موضوع ’’سنتِ ابتلاء‘‘ ہے یعنی اس زندگی میں ابتلائیں اور آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔ مکی زندگی میں مسلمانوں کو طرح طرح کے مظالم اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا، جب جور و جفا کے بادل پیہم برس کر بھی نہ تھمتے تو بتقاضائے بشریت بعض لوگ گھبرا کر اٹھتے تھے، انہیں سمجھانے کے لئے فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو آزمانا اللہ تعالیٰ کی پرانی سنت اور دستور ہے تاکہ سچے اور جھوٹے، مومن اور منافق میں امتیاز ہو جائے، صاحبِ ایمان بڑے بڑے حوادث کے سامنے استقامت دکھاتا ہے جبکہ زبانی کلامی ایمان کے دعوے کرنے والوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں اور ان میں سے بعض دنیوی تکلیفوں سے بچنے کے لئے معاذاللہ مرتد ہو جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے’’ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے،

جب انہیں اللہ کی راہ میں کوئی ایذاء پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں جیسے اللہ کا عذاب! اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے، کیا اللہ نہیں جانتا جو کچھ اہلِ عالم کے سینوں میں ہے"(۱۰)

ایمان والوں میں سے سب سے زیادہ اور سخت آزمائشیں اللہ کے نبیوں پر آئیں اس لئے اس سورت میں حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہم السلام کے قصے اجمالی طور پر ذکر کئے گئے ہیں تا کہ ایمان والے جان لیں کہ اہلِ حق پر ابتلائیں تو آتی ہیں لیکن یہ ابتلائیں دائمی نہیں ہوتیں، انجام کار اہل حق کو غلبہ نصیب ہوتا ہے اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

سورت کے اختتام پر مشرکین کے بتوں کو "عنکبوت" (مکڑی) کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ اس کا جالا ازحد کمزور ہوتا ہے نہ سردی سے بچا سکتا ہے نہ گرمی سے اور نہ ہی تیز ہواؤں کا مقابلہ کر سکتا ہے، یونہی مشرکوں کے بت کمزور ہیں، نہ انہیں نقصان سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔

☆......☆......☆

پیشکش: ابوزبیر

[www_alkalam_pk@yahoo.com]